ڈاکٹر بشارت علی

عمرانی علوم کی کسوٹی ــــــــ الفرقان

قرآن بلا شبہ ہدایت کی آخری کتاب ہے۔ یہ ہدایت صرف معاد اور مذہبی معاملات کی حد تک محدود نہیں۔ قرآن علم و حکمت کی وہ کتاب ہے جو مہد سے لیکر لحد کی زندگی تک کے تمام جزوی اور اہم شقوق اور خدوخال کی صورت گری معنوی انداز میں کرتا ہے۔ زندگی لحد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی اس کا سلسلہ اور بھی بڑھتا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حین حیات کی مرئی، تجربی اور حسی زندگی بعد الموت کی غیر مرئی اور لاہوتی زندگی سے مختلف نہیں۔ زندگی تسلسل کل کا نام ہے اس لیے حسی و مرئی واقعات حیات جس طرح درست ہیں اسی طرح غیر مرئی اور غیر تجربی و غیر عقلی یا روحانی واقعات زندگی بھی درست قرار دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یومنون بالغیب کا داعیہ اور اقرار لوازم حیات اور زندگی کا اہم قضیہ قرار دیا گیا ہے۔

انسان معاشرتی انسان ہے۔ اس کی زندگی کا ہر شعبہ قدر معنویت کے تابع ہے۔ معاشرتی احوال اور قدر و معنویت کا نظام انسان پر عالم جنین سے لے کر، شہود اور مہد سے لے کر لحد تک کی زندگی پر نہ صرف اثر انداز ہے بلکہ اس کی صورت گری اور شخصی وجاہت و کیفیت کو متعین کرتا ہے۔ قرآن کی عمرانی حیثیت پر کبھی بھی غور نہیں کیا گیا، حالانکہ قرآن کی بے حد و حساب تفسیریں کی گئیں اور قرآن کی اساس پر کئی علوم فطری اور انسانی کی بنیاد رکھی گئی۔ تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ قرآن کی اساس پر کم از کم ایک سو بیس نظام ہائے علوم وجود میں لائے گئے۔ ہر نظام علم کے کئی اور جداگانہ شعبے علاحدہ مدوّن

ہوئے۔ علوم کی دریافت اور تدوین کا سلسلہ کم و بیش پانچ سو سال تک جاری رہا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوگیا تو مسلمانوں سے علمی امامت بھی چھن گئی۔ اب حاشیہ نویسی، تالیف و شرحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ نیتجتاً خلاقی، تحقیق، ابداعیت اور فطانت کا خاتمہ ہوگیا۔ مسلمانوں کی عظمت کا پتہ صرف اس بات سے چلتا ہے کہ تفاسیر میں قرآن نے جن جن علوم کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی پوری پوری وضاحت کی گئی ہے۔ یہ توضیحات ان نظام ہائے علوم کے سوا ہیں جن کی جداگانہ تنظیم و تدوین کی گئی تھی۔ بعض تفاسیر کا حجم اس قدر بڑھ گیا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ کشف الظنون میں بعض ایسی تفسیروں کا ذکر کیا گیا ہے جو تین سو اور پانچ سو جلدوں پر مشتمل تھیں۔ چھوٹی سے چھوٹی پچاس اور تیس جلدوں سے کم نہیں تھیں۔

یہ تفسیریں ناپید نہیں ہوگئیں۔ علمائے سلف کے تفصیلی احوال موجود ہیں لیکن قرآن نے عمرانیات اور علوم عمرانی کی جو خدمت کی ہے اس کی طرف بہت کم توجّہ کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے علمی افکار میں عمرانیات اور اس کے اصناف کے متعلق جو توضیحات کی گئی ہیں وہ بجائے خود یورپ کے اس دعوے کی تکذیب کرتے ہیں کہ یورپ والے اس علم کے بانی قطعی طور پر نہ تھے۔ عمرانیات اور اس کے متنوع اصناف کے وجود میں لانے والے مسلمان تھے۔ عمرانیات اور اس کے متنوعہ اصناف اور علوم کو مسلمان قرآن سے دریافت کر سکتے تھے اور اس سے استفادہ کر کے نامور مؤرخ ابن خلدون نے اس علم کو وہ حیثیت دی جس کی بنا پر وہ آج سائنٹفک عمرانیات کا بانی قرار دیا جاتا ہے[1]۔

متذکرہ توضیح سے یہ بات صاف ہے کہ قرآن عمرانیات کی پہلی کتاب بھی ہے اور آخری کتاب بھی۔ آخری اس لیے کہ اس کی تدوین و تشکیل ان دائمی عمرانی، ثقافتی اور روحانی حقیقتوں پر کی گئی ہے کہ جس کی ضرورت ابدالآباد تک انسان کو رہے گی۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سارو کون، سوشل اینڈ کلچرل ڈائنمکس

الٓمٓ ذالک الکتاب لاریب فیہ

عمرانی افکار کا پتہ چار ہزار سال قبل مسیح سے چلتا ہے لیکن یہ خیالات انسان کی صحیح رہبری کرنے کی بجائے اس کو پیہم خسران و بدبختی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور پھر ان میں جدل و پیکار، ضد و تناقض اتار چڑھاؤ، سفالت و دنائت کی وہ بھرمار ہے کہ ان کی اساس پر زندگی کا ڈھالنا تو کجا مجرد ان کے تصور سے حیرانی و پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ ان افکار کا قدم کبھی اس زمین پر اور کبھی آسمان پر۔ کہیں حسّیت سے بھرپور ہیں تو کہیں روحانیت پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ عالم محسوسات کی تردید پر ان کی تدوین کی گئی ہے تو ساتھ ہی حواس، عقل، مُدرکات، مشاعر، امیال، احساسات اور عواطفات کا بھی انکار کیا گیا ہے۔ ان حقائق کے انکار پر جو عمرانی افکار اٹھے ہیں ان کو سارو کن اطماحی خیالات عمرانی یعنی (IDEATIONAL) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہودی، عیسائی، برہمانی خیالات کی بنیاد بھی عوامل ہیں۔ حیات بعد الممات اور روحانیت کی تردید پر جن افکار عمرانی کی نیو استوار کی گئی ہے، ان کو حسّیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دورِ جدید کے علوم عمرانی اور عمرانیات کی بنیاد انہیں عوامل پر رکھی گئی ہے۔ سارا زور حسّیت، لذتیت، زر، زن زمین، ہوس رانی اور مئے خوری پر ہے۔

جسم و روح، دنیا اور ماورائے دنیا، عقل و تجربہ، روحانیت اور ماورائے عقلیت افراد اور ما فوق الافراد عوامل کے اشتراک کلی، توافق و امتزاج، انضمام و تدوین سے جو معاشرتی اور ثقافتی نظام وجود میں آسکے گا وہی صحیح بھی ہوگا اور وہی استمراری بقاؤ ترقی کا ضامن بھی ہوسکتا ہے۔ قرآن کا عمرانی قضیہ جس کی وضاحت بار بار علی العموم اور بالخصوص قصص انبیاء میں کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ معاشرتی و ثقافتی نظام تائید الٰہی، وحی و رسالت اور کتابی علم و حکمت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ معاشرے و ثقافت کے وجود میں لانے کا اختیار اگر انسان کو دے دیا جائے گا تو وہ جدل و پیکار، تعاون و عدوان پر مبنی ہوں گے۔ انسان کی افتادِ مزاج کے اعتبار سے ان کی صورت کبھی تو حسّی (SENSATE) اور کبھی اطماحی (IDEATIONAL)

ہو گی۔ بہر حال ان کی تعمیر میں ہمیشہ خرابی کی صورت مضمر ہو گی۔ قرآن کے زاویۂ نگاہ سے ایسے افکار عمرانی اور معاشرتی و ثقافتی نظام، معاشرتی و ثقافتی کہلائے نہیں جا سکتے۔ جس میں دین و دنیا، جسم و روح، محسوس و ماورائے محسوس، فطری اور ما فوق الفطری، عقلی اور ماورائے عقلی حیاتی اور مابعد الطبیعیاتی، تجربی اور ماورائے تجربی عوامل کا اشتراک کلی نہ ہوا ہو، زندگی، معاشرت اور ثقافت کی صحت کی کسوٹی بھی یہی ہے کہ دنیا اور دنیوی حقائق کے ساتھ معاد اور حیات بعد الممات کے حقائق کا بھی اقرار کیا جائے۔ مادی اور غیر مادی امور کے امتزاج کلی کا نام معاشرت بھی ہے اور ثقافت بھی۔ ان امور کے اقرار کے باوجود دور جدید کے معاشرتی و ثقافتی نظام ایک طرفہ ہیں، اس لیے قرانی عمرانیات ان کے معاشرتی و ثقافتی نظام ہونے کی سرے سے تردید کرتی ہے۔ انسان میں صحت و توازن، امتزاج و توافق کلی کے ساتھ معاشرتی و ثقافتی نظاموں کی صلاحیت موجود نہیں۔ اس لیے قرآن نہایت ہی لطیف رمزی انداز میں کہتا ہے کہ ومن ثمراتِ النخیل والاعناب تتخذون منه سکرًا ورزقًا حسنًا، اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَاٰیةً لِّقومٍ یَّعقِلُون[1] اس رمزی اشارہ سے صاف ظاہر ہے کہ معاشرتی و ثقافتی نظام انضمامی[2] و امتزاجی عوامل پر مبنی ہیں۔ ان کی قوام و ترکیب میں بعض معنوی، اخلاقی اور روحانی قدریں پوشیدہ ہیں۔ ان کا سمجھنا اور سمجھ کر معاشرتی و ثقافتی نظاموں کی تدوین انسان کے بس کا روگ نہیں۔ قوام و ترکیب کی ہر سطح اور تہہ میں جو نظامہائے معنی اور روحانی حقیقتیں کام کرتی نظر آتی ہیں ان کے سمجھنے کی صلاحیت صرف انبیاء و مرسلین میں ودیعت کی گئی ہے۔ نظام معنی کے لیے نظام اشخاص بالخصوص تواد کی ضرورت ہے تو اس ضرورت کی تکمیل و انصرام سے معاشرے و ثقافت کو وجود میں لانے کے لیے ایسے نفوسِ قدسیہ مامور ہوتے رہے ہیں۔ مامورین من اللہ کا یہ سلسلہ آدمؑ

---

(۱) النحل: ۶۷

(۲) INTEGRATED

سے شروع ہو کر نبی آخر الزمان پر ختم ہو گیا۔ نبی کی حیثیت ہادی و مرسل ہی کی نہیں بلکہ معمار معاشرت و ثقافت کی بھی ہے۔ آدم سے لیکر سرور عالم تک جتنے بھی نبی آئے زمانی و مکانی اعتبارات سے ہمیشہ ایک معاشرتی و ثقافتی نظام کو وجود میں لاتے رہے۔ یہ نظام چونکہ علت و معلول، زمان و مکان کے رشتوں سے جکڑے ہوئے تھے لیکن ان کی قوام و ترکیب اس نظام معنی سے ہوتی تھی جس کو قرآن وحی و کتاب کے نام سے یاد کرتا ہے۔

قرآن نے قصص انبیاء کے سلسلے میں جن حقائق و واقعات کی صراحت کی ہے، ان کا مدعا انبیائے متعلقہ کے دور کے معاشرتی و ثقافتی نظاموں کے نمونے پیش کرنا ہے اسی کے ساتھ معاشرے و ثقافت کے عروج و زوال کے اسباب و وجوہ کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ ابوابی انداز میں ان تمام سوالات کیا، کیوں، کب، کیسے وغیرہم کی تحلیل و توضیح کی گئی ہے۔ یہ سارے مسائل جو قرآنی عمرانیات پیش کر رہی ہے دور جدید کی عمرانیات کے موضوع تحقیق ہیں۔

جن معاشرتی و ثقافتی نظاموں کے نمونے قصص انبیاء کے سلسلے میں قرآن نے پیش کیے ہیں وہی درست ہیں نہ کہ حالیہ دور کے مفکرین کے وہ نمونے جو ٹائن بی۔ اشپنگلر، کرائبر، شوارز، برڈیو[۱] وغیرہم نے پیش کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نمونے کبھی وجود میں آئے ہوں لیکن چونکہ ان کی اساس ان قدر و معنویت پر مبنی نہیں جس کو قرآن وحی، رسالت اور کتاب کے نام سے یاد کرتا ہے اس لیے قرآن ان کے نمونے ماننے سے صریحاً انکار کرتا ہے۔ قرآن کی زبان میں یہ اساطیر الاولین اور کذب ہیں۔ نظام معنی، اشخاص یعنی نظام رسالت اور نظام ابلاغ یعنی کتاب کے باوجود، اگر افراد معاشرہ، جماعتیں اور ادارے ان پر عمل نہ کر سکیں تو ان کی کوئی عملی افادیت باقی نہیں رہ سکتی، اس لیے ایمان و ایقان کلی کے ساتھ قرآن عمل کی تعلیم

---

(۱) (1) TOYAN BEE - SPANGLER - KROEBER - SCHWARZ - BERD YAE

دیتا ہے۔ نظامِ معنی، کتاب و رسالت کے طریق عمل پر عمل کرنا استحکامِ شخصیت، استقرارِ معاشرت و ثقافت کے لیے ضروری ہے۔ ایقان و ایمان کا نظام، نظامِ عمل سے وابستہ ہے اور پھر یہ سارے نظام ہمہ جہتی اعتبار سے نظامِ معنی سے اشتراک کلی اور غیر منفک تعلق رکھتے ہیں۔

قرآنی عمرانیات کے یہ وہ بنیادی نکتے ہیں کہ جن کی طرف آج کل کی سائنٹفک عمرانیات مصروف تحقیقات ہے۔ قرآنی عمرانیات کی صوری و معنوی حقیقتوں کے سمجھنے کے لیے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کے معاشرتی، ثقافتی، دینی اور روحانی نظام کی اساس نظریہ عمل پر مبنی و موقوف قرار دی گئی ہے۔ دورِ جدید کے فلسفہ تمدن اور عروج و زوال امم کے مباحث میں قرآن کے اس تصور کی کوئی گنجائش نہیں کہ قومیں نظامِ معنی پر اعتماد کلی کے باوجود جب اس کو عملاً کام میں نہیں لاتیں اور اس کی اساس پر معاشرہ، افراد، ثقافت و اداروں کی صورت گری نہیں کرتیں تو وہ مٹ جاتی ہیں۔ معاشرتی و ثقافتی نظاموں کی حیات و بقا، وسعت و ترقی میں عمل کا جو مقام ہے، اس پر دورِ جدید کے عمرانیئین اور عمرانی فلاسفہ علی العموم اور بخصوصیت کے ساتھ پارسن و مرٹن نے بحث و تحقیق کی ہے۔ اس کی بھاری بھرکم کتاب کو پڑھ جائیے لیکن قرآن نے جس ہمہ گیری اور بلاغت کے ساتھ مندرجہ ذیل مختصر سی آیت میں نظامِ معاشرت و ثقافت کی کنہ اولین اور علتِ اولیٰ یعنی نظریہ عمل کو پیش کیا ہے اس کا مقابلہ ممکنات سے نہیں۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال ۷-۸)

وہ لوگ جو اسلام کی ابدی حقیقتوں کا بطلان کرتے ہوئے اس کو صرف شدہ طاقت قرار دیتے ہیں وہ اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ اسلام کے ظہور کا راز اس کے نظامِ معنی پر

PARSANS AND MERTEN (1)

عمل میں پوشیدہ ہے۔ دورِ جدید کے یہ حضرات اپنے مزاج، نفسی کیفیات اور ذہانت کے اعتبار سے وہی مماثلت رکھتے ہیں جس کی توضیح قرآن نے منافقین کے سلسلے میں کی ہے۔ مسلمانوں کے ضعف اور اقوام عالم کے مقابل ان کے عجز اور پستی کا راز قرآن پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دیکھنا چاہیے۔ قوموں اور ثقافتوں کا ٹکراؤ فطرت کا ایک اہم قانون ہے۔ کوئی قوم اور کوئی ثقافت اس ٹکراؤ سے بچ نہیں سکتی۔ اپنی قیام و بقا کے لیے اس کو پیہم کوشش کرنی پڑتی ہے۔ مسابقت، ٹکراؤ، سعی پیہم اور جنگ قرآنی عمرانیات کے وہ معاشرتی قوانین ہیں کہ جن سے بہر حال گریز ناممکن ہے۔ دورِ جدید کے تمام اصنافِ علوم عمرانی اور عمرانیات آج ان قوانین کی بدیہی حقیقتوں کو تسلیم کرتی ہے۔ ان موضوعات پر کثرت سے کتابیں موجود ہیں اور تحقیق کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، اور جاری رہے گا۔ جدل و پیکار اور تصادم و آویزش کی اس فضا میں قومیں اور ان کی ثقافتیں ابھرتی ہیں، پھیلتی اور پھولتی ہیں۔ انہیں وجوہ کی بنا پر ایک ساتھ ایک ہی وقت، ایک ہی خطۂ ارضی میں تین ثقافتی نظام ٹکراتے اور آپس میں دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ قصصِ انبیاء کو غور سے پڑھیے تو آپ کو اس کا پتہ چل جائے گا کہ نبوی، معنوی ثقافتی نظاموں کے دوش بدوش دو اور نظامہائے ثقافت یعنی حسّی اور اطماحی نظام چلتے نظر آتے ہیں۔ طاقت اور کثرت کی وجہ سے یہ دونوں نظام، نظامِ معنی کے مقابل غالب نظر آتے ہیں۔ لیکن آخر کار انبیاء کا نظامِ معنوی ان پر غالب آجاتا ہے اور انہیں مٹا دیتا ہے۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ۸۱)

موسوی ثقافت کو مثلاً فرعونی ثقافت سے مقابلہ کرنا پڑا۔ طول طویل کش مکش کے بعد فرعون کے غرق ہونے کے بعد اس کی حسّی، لذتی اور جنسی ثقافت کا خاتمہ ہو گیا اور موسوی نظامِ ثقافت چھا گئی۔ یہ اس وقت تک پوری طاقت اور تابناکی سے پھولتی اور پھیلتی رہی جب تک کہ اس کے نظامِ معنی میں فتور نہ پیدا ہو گیا۔ آج کے زمانے میں بھی یورپ کی حسّی و سائنسی

تہذیب کے ساتھ عیسوی اور اسلامی اطماحی وعینی ثقافتیں دوش بدوش چل رہی ہیں۔ اس عمرانی قانون کی کارفرمائی کے ساتھ دوسرے اور قوانین بھی اپنی پوری قوت اور عصبیت کے ساتھ کارفرما ہیں۔ اسلام کا ان کے مقابل بحالت اضمحلال چلنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ آخر کار ان پر غالب ہوگا۔ اسلام ہر زمانے میں دبنا اور دب کر ابھرنا قانون عمرانی کا ایک اہم وظیفہ ہے۔ یہ دباؤ آج کی بات نہیں اس کا سلسلہ آدم کے زمانے سے چلا آرہا ہے اور تا قیامت چلتا رہے گا۔ ہر موقع پر اگر نبوی ثقافتیں دبیں اور ابھر کر چھا گئیں تو اسلام کا ہر دباؤ کے موقع پر عارضی طور پر دب کر پوری قوت کے ساتھ چھا جانا ضروری ہے۔ دب کر ابھرنے کا یہ عمل بقائے قوت اور استحالۂ قوت کے قوانین کے ماتحت ہے۔ انہیں امور اور حقائق کی طرف قرآن یوں اشارہ کرتا ہے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۹: ۳۳)

قرآن شریف نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ عینی معنوی ثقافت نہ صرف ایک طرفہ ثقافتوں یعنی اطماحی اور حسی ثقافتوں سے ہمیشہ ٹکراتی رہے گی بلکہ جب کبھی بھی اس ثقافت کے نظام معنی میں فتور پیدا ہوگا اور اس ثقافت کے چلانے والے سختی کے ساتھ اس پر عملاً پابند نہ رہیں گے تو انحراف کرنے والی اس قوم کی بجائے دوسری قوم نظام معنی کو پائندہ و حرکی رکھنے کے لیے مامور کی جائے گی۔ زندگی قوم کی زندگی نہیں۔ قوم کی زندگی مشروط ہے نظام معنی کی زندگی سے اس لیے اصل زندگی نظام معنی کی زندگی ہے۔ اگر کوئی قوم بہ حیثیت قوم زندہ رہ سکتی ہے تو اس کے لیے لازمی ہو جاتا ہے کہ نظام معنی کی وابستگی کے ساتھ زندہ رہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (البقرۃ ۱۶۴)

قرآن جن نظام ہائے معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے ان کی اسمائے الٰہی کی مناسبت سے

ننانوے قسمیں ہیں۔ انسان، معاشرے اور ثقافتیں انہیں کے مظاہر ہیں۔ یہ سب نظام، نظامِ توحید میں ضم اور ممزوج ہو گئے ہیں۔ افرادِ انسانی کے تنوعات، معاشرے کے سارے طبقات اور ثقافت کی ساری بوقلمونیاں نظامِ معنی میں گم ہو کر وحدتِ خیال، وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل پیدا کرتی ہیں۔ دورِ جدید کے معاشرتی افکار اور عمرانیات میں معاشرتی نصب العین کا ایسا تصور موجود نہیں۔ بلاشبہ معاشرے و ثقافت کی غایتِ اصلی سے متعلق بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کسی ایک نظریہ پر کوئی دو مفکر بھی متفق نہیں۔ ان کے مقابل قرآنی عمرانیات واضح انداز میں یوں توضیح کرتی ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللهُ جَمِيعًا إِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ: ۱۴۸)

انسان نفسی ذاتی اپنا مستقل وجود رکھتا ہے۔ اثباتِ خودی کا داعیہ فطرتِ انسانی کا اہم خاصہ ہے۔ ان واجبات کو معاشرتی زندگی کے تقاضوں کے تحت ڈھالنا پڑتا ہے اور انہیں نظامِ معنی کی متابعت میں متشکل کرنا پڑتا ہے۔ یوں بھی ذاتی اغراض کے لیے اتحادِ عمل، باہمی شرکت اور تنظیم سے کام لینا پڑتا ہے۔ جوں جوں انسان منازلِ زندگی طے کرتا چلا جاتا ہے اسے یہ احساس ہوتا چلا جاتا ہے کہ کوئی شخص محض اپنی ذات کے لیے زندگی کے چند لمحات بھی گزار نہیں سکتا۔ سعی اور عمل کے اتحاد سے معاشرہ بنتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا معاشرتی نظام میں ایسی مستقل قوتیں دریافت کی جا سکتی ہیں کہ جن کی اساس پر معاشرتی نظام کی تعمیر ہوتی ہے؟ قرآنی عمرانیات کا سب سے اہم مقصد یہی ہے کہ معاشرتی نظاموں کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ آلِ عمران میں کہا گیا ہے کہ مسلمان ہر وقت عروج و زوالِ امم کے اسباب و وجوہ پر غور کرتے رہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض معاشرتی مظاہر ایسے ہیں کہ جن کا بار بار ظہور ہوتا ہے یہ اپنے ظہور میں زمان و مکان کے پابند نہیں۔ ان میں باقاعدگی پائی جاتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ان کا بار بار مطالعہ و مشاہدہ ضروری ہے۔ نظام کائنات کی طرح قرآنی عمرانیات کا دعویٰ یہ ہے کہ معاشرتی اور ثقافتی نظام بجنت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ان کی تعمیر و تشکیل حیات و بقا، استمرار و ترقی کی ہر ظاہری سطح اور تہہ میں بعض معنوی حقیقتیں کارفرما ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ان نظاموں کی تعمیر کسی نظام کے مطابق ہوئی ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۳: ۱۹۱)

واقعہ یہ ہے کہ ان کی نیرنگیوں میں ایک مستقل مقصد، ایک نظام معنی اور نظام قدور کو جھلکیاں لیتے دیکھا جا سکتا ہے۔

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (الرحمٰن ۲۹)

بلاشبہ ایسے قوانین موجود ہیں جن پر انسانی معاشرتی و ثقافتی نظاموں کا دارومدار ہے یقیناً کچھ قوتیں ایسی موجود ہیں جو ان نظاموں میں ہمیشہ کارفرما رہتی ہیں اور انہیں ایک مخصوص و معین راہ پر چلاتی ہیں۔ انہیں کی طرف قرآن اشارہ کرتے ہوئے آیاتِ الٰہی پر غور کرنے کی بار بار ہدایت کرتا ہے

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (البقرۃ ۷۳)

آیاتِ الٰہی کے یہ اشارے جو قرآن میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں، قرآنی رمزی عمرانیات (QURANIC SYMBOLIC SOCIOLOGY) کا اہم موضوع بحث ہیں۔ یہ رموز بجائے خود نظام معنی کے حامل ہیں تو مزید تاکید اور توضیح کی خاطر رمزی عمرانیات

کے ساتھ ساتھ عمرانیات معنوی کی طرف قرآن توجہ دلاتا چلا جاتا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے اگرچہ لاتعداد آیتیں قرآن میں موجود ہیں تو موضوع کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بعض بلیغ اور ہمہ ابعادی الفاظ و اصطلاحوں سے بار بار کام لیا گیا ہے۔ ان کے منجملہ ہم قارئین کی توجہ "سجد" اور اس کے مشتقات کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (الرعد-۱۵)

گو عمرانی، ثقافتی اور کائنات کے واقعات جو ہمیں یوم پیدائش سے گھیرے ہوئے ہیں اور ہم باعتبار تجربہ و علم ان گرد و پیش کے واقعات کو دیکھ سکتے ہیں۔ بظاہر روکھے پھیکے، مانوس اور سادہ ہوتے ہیں لیکن ان کی ماہیت کا معلوم کرنا اور ان کے علت و معلول کے رشتے جو صوری بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی آپس میں مربوط و متعلق کر کے دیکھنا، سمجھنا اور معنویت کے ساتھ ہر موقع پر ان سے سازگاری پیدا کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اور پھر سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب کہ انہیں ایک نظام اور معنوی و منطقی ترتیب کے تحت لانا پڑتا ہے۔ زندگی کی حقیقتوں کو بے نقاب کرنے کے لیے ہر قوم کو ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ ان سے گزرے بغیر زندگی کی نہ تو معنویت کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی زندگی کی غایات کو متعین کیا جا سکتا ہے اس لیے سورۃ العصر میں کہا گیا ہے کہ انسان ہی خسارے میں مبتلا ہے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ

زندگی کی بدیہی اور تہہ در تہہ معنوی حقیقتوں کی ترجمانی اور وضاحتوں میں دنیا کی کوئی کتاب قرآن کے مقابل ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی دعوےٰ کیا جائے گا تو وہ باطل ہوگا۔ قرآن چونکہ انہیں دوامی حقیقتوں پر مبنی ہے اس لیے ان کو قرآن محکمات کے نام

سے یاد کرتا ہے۔ عام طور پر محکمات اُن قرآنی آیتوں کا نام ہے کہ جن پہ قرآن کا دارومدار ہے۔ یہ وہ حقیقتیں اور قدریں ہیں جو دائمی بھی ہیں اور جو زمانی ومکانی تبدیلیوں میں اپنے انطباق اور معنی میں اٹل ہیں۔ معاشرت وثقافت کے یہی یہی وجودی اور دوامی عوامل ہیں ان کے بغیر نہ تو یہ دونوں وجود میں آسکتے ہیں اور نہ ہی ان کے بغیر یہ دونوں ایک آن جی سکتے اور آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اوپر کی توضیحات سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ معاشرے اور ثقافت کی بنیاد علم پہ ہے اسی لیے قرآن بار بار معاشرے و ثقافت کے علمی حیثیت سے مطلعے کی ضرورت پر توجہ مبذول کراتا چلا جاتا ہے۔ قرآن کا آغاز ہی نظریہ علم سے ہوتا ہے۔ میلاد آدم کے قصہ میں یہ بات کھلے طور پر بتلا دی گئی ہے کہ علم کی بنیاد پر انسان وجود میں آیا۔ علم اس کی رگ وپے میں داخل ہے۔ اس کی سرشت نظامِ نفسی کا قوام وترکیب بھی علم ہی سے ہوا ہے۔ بنابراں اگر علم انسان کی ہیئت و ساخت، ماہیت وکیفیات میں داخل ہے تو وہ معاشرتی وثقافتی نظاموں کو بغیر علم کے کیسے وجود میں لاسکتا، باقی رکھ سکتا، چلا سکتا اور ہر آن ترقی دے سکتا ہے۔

معاشرتی وثقافتی مظاہر بڑے پیچیدہ ہیں۔ ان کی ماہیت واصلیت کا پتہ بغیر غور وفکر اور تدبر وبصیرت ناممکن ہے۔ دورِ جدید کی عمرانیات اتنی وسیع ومحیط ہوچکی ہے کہ انسان تعجب وحیرانی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اب تک پانچ سو سے زائد شعبے اور ذیلی نظام وجود میں آچکے ہیں۔ جرمنی، فرانس، امریکہ اور دیگر ممالک میں علوم عمرانی اور عمرانیات پر تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ ان تمام وسعتوں اور کاوشوں کے باوجود دورِ جدید کی عمرانیات اور علوم عمرانی، غایات ومعنی کے اعتبار سے نقوش پا بنے ہوئے ہیں۔ ان کے کلیے، اصول تا آنکہ مصطلحات اور زبان بھی متعین نہیں معاشرے کے نظم وضبط کے قوانین اور اُس کی بنیادی قوتوں، داعیات وواجبات کو ابھی تک سمجھا نہیں گیا۔ بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ انسان کے بس کا روگ نہیں کہ وہ ایسے حتمی اصول وقوانین دریافت کرے۔ قرآن

کی عظمت اور اس کے قائم بالذات، مستقل اور دائمی ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس میں وہ واضح اصول، کلیے اور دوامی حقیقتیں بیان کیے گئے ہیں کہ جن کی اساس پر معنوی انداز میں معاشرتی و ثقافتی نظام وجود میں لائے جا سکتے ہیں۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (انفال ۲۹)

قرآن دور جدید کی معاشرتی و ثقافتی نظاموں یعنی حسّی اور اطماحی (SENSATE IDEATIONAL) کے مقابل جس نظام عینی (IDEALISTIC) کو پیش کرتا ہے اس کا قرآنی زبان میں "اسلام" نام ہے۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۳)

یہ نظام ہو سکتا ہے کہ حسّی اور اطماحی نظاموں کے دوش بدوش ٹکراتا چلے لیکن اس کی آخری تقدیر یہی ہے کہ ان کو دبا کر خود غالب ہو جائے۔ اوپر کے دو نظام یعنی حسی اور اطماحی زیادہ عرصہ چل نہیں سکتے کیونکہ ان میں تضاد، ایک طرفگی اور جدل کی کیفیت ان کی ہیئت و ترکیب اور رفتار و عمل میں مستولی ہے۔ حسی نظام چونکہ زر، زن، اور شرب و لذت پر مبنی ہے اس لیے چار ہزار سال سے یہ ہمیشہ انسانوں کو بھاتا رہا اور اب بھی مرغوب ہے جس طرح اطماحی نظام دنیا سے خالی ہے اسی طرح یہ دین اور روح سے خالی ہے۔ بنا برآں ہر مرحلے پر ان دونوں نظاموں کا اسلام کے عینی نظاموں کے مقابل پسپا ہونا لوازمات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے مقابل یہ دونوں نظام ہمیشہ صف آرا رہے ہیں اور رہیں گے۔ انہیں حقائق کو سورۂ بقر میں قرآن بار بار پیش کرتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بہتری کی توقع نہ رکھی جائے اور یہ کہ دنیا میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا مسلمانوں کا کوئی دوست نہیں (ملاحظہ ہو ۳: ۹۹، ۱۰۰)

چونکہ قرآن کی بنیاد پہ ہر دور میں عینی معاشرتی و ثقافتی نظام کو ان دو کے مقابل بار

بار وجود میں لانا پڑے گا کیونکہ نوعِ انسانی کو اس کے بغیر جمعیت اور استقرار کلی حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے قرآن کی اساس پر زمانی و مکانی تقاضوں اور واجباتِ حیات کے پورا کرنے کے لیے ہر دور میں ایک نئی قرآنی عمرانیات وجود میں آتی رہے گی۔ ہر دور کی اس نئی عمرانیات کا کام یہ ہوگا کہ قرآن کی لفظاً و معناً متابعت میں معاشرے و ثقافت کے متعلق جتنی معلومات حاصل ہوں ان کی تقسیم و حدبندی کی جائے تاکہ حسن و قبح کا پتہ چلایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن الفرقان کہلایا جاتا ہے

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۲: ۵۳)

تقسیم و حدبندی کا مدعا یہ ہے کہ ترتیب اور منطقی صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاشرے و ثقافت کے وجود میں لانے والی اور حرکت دینے والی قوتوں کو دریافت کیا جائے اس طرح ہر آن معاشرے و ثقافت میں معنوی ربط اور نظم و ضبط پیدا کیا جائے۔

قرآن پاک کی یہ آیت کماحقہٗ بتا سکتی ہے کہ کس طرح اور کس حد تک فکر و عمل سے معاشرے و ثقافت کی نشو و نما اور ترقی کسی خاص سمت میں ہو سکتی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران ۶)

متذکرہ آیت جس کا تعلق قرآن کی توضیح و تشریح سے ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی اساس پر جو بھی معاشرتی و ثقافتی نظام وجود میں لایا جائے گا وہ بہرحال بعض دوامی قوانین اور قدروں کی پابندی اور انہیں عمل میں لانے پر مجبور ہے۔ محکمات کی حیثیت بدیہات اور اولیات کی سی ہے۔ یہ معاشرے و ثقافت کے وجودی موثرات ہیں۔ ان کے بغیر معاشرے کا وجود میں آنا بعید از قیاس ہوگا۔ زمانی و مکانی تقاضوں کو متشابہات پورا

کرسکیں گے بشرطیکہ ان کی تطبیق و تصدیق میں محکمات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

اسی آیت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشرتی و ثقافتی زندگی اپنی ظاہر و باطن میں نظام معنی و قدور کی پابند ہے۔ معاشرہ اپنی غایات کو پا نہیں سکتا جب تک کہ وہ ان کی اساس پر متشکل نہ ہو اور اپنی رفتار زندگی میں انہیں کا اظہار نہ کرے۔

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ (البقرہ ۱۶۳)

دور جدید کی عمرانیات میں معاشرے و ثقافت کی اتنی تعریفیں کی گئی ہیں کہ انسان ورطۂ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کو غلط اور کس کو صحیح سمجھا جائے۔ پروفیسر ساروکن نے کم و بیش عمرانیات کی دو سو تعریفیں گنائی ہیں۔ اسی طرح اس کی ہر اصطلاح کے کم و بیش ایک سو بیس معنی بتلائے گئے ہیں۔ قرآنی عمرانیات ان تناقضات سے پاک ہے۔ تعریف کی بجائے بعض قوانین اور اصول متعین کر دیے گئے ہیں۔ مصطلحات، الفاظ اور متن کا سارا نظام قدور معنویت سے مربوط ہے۔ انہیں صوری و معنوی حیثیت سے جیسا کہ آیت بالا میں واضح کیا گیا ہے ہلایا نہیں جا سکتا۔ اسی آیت سے یہ بھی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ عمرانیات کی حقیقت اور اہمیت جتنی اس کے بنیادی اصولوں کے مطالعے سے ہو سکتی ہے تعریفات سے نہیں ہو سکتی۔ قرآنی عمرانیات ان مظاہر معنی و قدور سے بحث کرتی ہے جو مل جل کر رہنے سے وجود میں آتے ہیں۔ قرآنی عمرانیات دور جدید کی متغائر عمرانیات کے مقابل اپنا بدیہی وجود رکھتی ہے۔ یہ بہت سی منظم اور مرتب و بامعنی معلومات، اصول اور قوانین پر مشتمل ہے۔ اس میں علت و معلول کی تحقیق شدہ حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔ عمرانی و ثقافتی قوانین دریافت کیے گئے ہیں۔ نظم و ضبط کے قوانین اور کردار و عمل کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اُس کے عام استدلال کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو صحیح نتائج تک رسائی حاصل کرنے کی توفیق و ہدایت بہم پہنچائی جائے۔ یہ توفیق و ہدایت ایک خاص واسطے سے مہیا کی جاتی ہے۔ قرآن کی زبان میں یہ واسطہ رسالت

کے نام سے موسوم ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۲: ۱۵۱)

کیا دورِ جدید کی عمرانیات، معاشرت و ثقافت کا اس سے بہتر تصور پیش کر سکتی ہے؟ آیت بالا سے یہ بات واضح ہے کہ معاشرے و ثقافت کی بنیاد علم و حکمت پر ہے۔ علم، معاشرت اور ثقافت سب کے سب نظامِ معنی سے مربوط ہیں۔ ان سب کا مدعا یہ ہے کہ ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو نظامِ معنی کی بنا پر قابلِ نمونہ قرار پائیں۔ یہ آخری منزل نہیں۔ قرآنی عمرانیات کا تقاضا نمونے سے بھی آگے بڑھ جانے کا ہے۔ معاشرتی و ثقافتی زندگی میں نمونے کے افراد کا پیدا کرنا، اگر معاشرہ کا درجۂ خصوصی ہے تو اپنے عمل کے اعتبار سے اس نمونے کو دوگانہ فرائض انجام دینے پڑیں گے۔ اولاً اپنی ذات کے مقابل ثانیاً معاشرے کے مقابل ایسے ہی نمونے کے افراد، نمونے کی معاشرت کی ہر آن اور دوامی طور پر نسترن زاری کر سکتے ہیں۔ نمونے کے افراد سے معاشرہ خالی ہو جائے تو اس کی زندگی میں تشتت اور ہبوط پیدا ہونے لگتا ہے۔ معاشرے میں اس قدر معنویت اور رجان ہونی چاہیے کہ جس طرح نمونے کے افراد اور اس کی زندگی اور بقائے قوت کے ضامن و کفیل بنتے ہیں، اسی طرح معاشرہ بجائے خود افراد کے لیے استحالۂ قوت اور مزید شخصیت کی ارتقا کا موجب بن جائے گا۔

دورِ جدید کی عمرانیات میں عینی معاشرہ اور نمونے کے افراد کا تصور اولاً اس صدی کے آغاز میں جرمن عمرانی ماکس ویبر (MAX WEBER) نے پیش کیا تھا۔ یہ تصور کچھ اس قدر حقیقی اور بدیہی ثابت ہوا کہ دورِ جدید کے اکثر عمرانیئین کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ پارسن (PARSONS) مرٹن،

سارو کن توچوٹی کے نام ہیں، لیکن ان گنت علماء مصروف تحقیقات ہیں۔ یورپی فکر میں حسیت اور اطاحیت کی وجہ سے جو جدلی اور متناقض رنگ غالب ہے وہ اس تصور میں بھی غالب و موثر نظر آتا ہے۔ اس تصور کو جو معاشرے و ثقافت کی علت اولیٰ ہے قرآنی عمرانیات نے معنوی اور انضمامی (INTEGRATED) انداز میں آج سے چودہ سو سال پیشتر یوں پیش کیا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب: ۲۱)

قرآنی عمرانیات معاشرے و ثقافت، افراد اور اداروں کے لیے جو نمونہ پیش کر رہا ہے وہ زمان و مکان کی تبدیلیوں کے باوجود چونکہ دوامی نظام معنی پر مبنی ہے، اس لیے یہ نمونہ کبھی بھی کسی جہت میں بدل نہیں سکتا۔ قرآن کی اساس اور اس کے نظام معنی و قدور کی بنیادوں پر جہاں کہیں بھی اور جس وقت بھی ایسا معاشرہ اور ثقافت وجود میں آئیں گے اس کے لیے اس نمونہ کی پیروی لازمی ہو گی۔ معاشرتی و ثقافتی زندگی میں نمونے اور نظام معنی کی کچھ اس قدر اہمیت ہے کہ قرآنی عمرانیات بار بار اسی کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔ یہ وجودی مسئلہ اگر پیش نظر نہ رہے تو معاشرے و ثقافت کے وجود میں لانے کی ساری کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کو مومن، صادق اور مسلم وغیرہم کی توضیح میں بار بار معرض بحث میں لایا گیا ہے تاکہ کاشانۂ دل میں یہ بات ہمیشہ کے لیے جم جائے کہ بلا اتباع نمونہ (اسوۃ) اور قرآنی نظام معنی، عینی معاشرہ، عینی ثقافت، عینی افراد، عینی ادارے اور عینی جماعتیں وجود میں نہیں آسکتے۔

علمائے متقدمین نے قرآن کی تفسیر میں پانچ سو تک جلدیں لکھی ہیں لیکن قرآن کی عمرانی حیثیت کے واضح کرنے کے لیے کوئی توجہ مبذول نہ کی جاسکی حالانکہ مسلمان علم عمرانیات

کے اولین بانی تھے۔ قرآن کی ہر آیت یوں تو عمرانیات کے اصول و قوانین کا بدیہی اور دوامی ضابطہ ہے لیکن بعض سورتیں عمرانیات و ثقافتیات کے وہ عینی نمونے ہیں کہ جن کی مثال مل نہیں سکتی۔ منجملہ اور سورتوں کے سورۂ احزاب عمرانیاتی تصورات و ضوابط کا وہ شاہکار استمراری نمونہ ہے کہ اسی ایک سورہ کی اساس پر دورِ جدید کی ساری عمرانیات کی باز تشکیل اور اس کے غلط نظریوں اور افکار کی تردید و تنقیص کی جاسکتی ہے۔ دورِ جدید کی عمرانیات میں معاشرے کی ابتدا پر قرار واقعی نظر نہیں ڈالی گئی۔ قبل از تاریخ غیر متمدن اور وحشی اقوام کے معاشروں پر بڑی بڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر اس قدر لٹریچر موجود ہے کہ ان پر احاطہ کرنے کے لیے عمر نوح چاہیے۔ قرآنی عمرانیات، عمرانیات اور معاشرے کی ابتدا سے بحث کرتی ہے۔ قدیم غیر متمدن نمونے جو وحشی اقوام نے پیش کیے ہیں اور جن پر دورِ جدید کی عمرانیات کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں، قرآن کے نزدیک ان پر معاشرت و ثقافت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اگر غیر متمدن اقوام کی جماعتی زندگی کا کوئی نام دیا جا سکتا ہے تو وہ معاشرتی یا ثقافتی زندگی نہیں بلکہ گروہی زندگی ہے۔ قرآن کے نزدیک کوئی معاشرت و ثقافت بغیر تمدن بالخصوص نظامِ معنی کے سوا وجود میں نہیں آسکتے۔ اپنے اس نظریہ کو واضح کرنے کے لیے قرآن نے آدم سے لے کر سرورِ دو عالم کی بعثت تک جو نمونہائے معاشرت و ثقافت وجود میں آئے ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔ یہ نمونے تمدن ہی کے اعلیٰ نمونے نہ تھے بلکہ ان کی ہیئت و ساخت، صورت و معنی میں ایک خاص نظامِ معنی کام کر رہا تھا۔ ان نمونوں کے وجود میں لانے والے انبیا و مرسلین تھے۔ ان کے دوش بدوش بعض حسی ولذتی معاشرتی و ثقافتی نظام چل رہے تھے۔ یہ نمونے ان اشخاص نے پیش کیے تھے جو نبوت کے نظامِ معنی کے مخالف تھے۔ جیسا کہ قرآن نے فرعون کے سلسلے میں اشارہ کیا ہے، جو نمونے باوجودیکہ اعلیٰ تمدنی نمونے تھے لیکن ان کی اساس انبیاء کے نمونوں کے مقابل تر نظامِ معنوی کی

تردید پر رکھی گئی تھی، اس لیے قرآن ان کو معاشرت و ثقافت ماننے ہی سے انکار کرتا ہے بنابراں سب سے پہلا ثقافتی و معاشرتی نظام وہ تھا جو آدم نے پیش کیا تھا اور جو ادل بدل کر ہر دور میں انبیاء کی متابعت میں ابھرا۔ باوجودیکہ یہ سارے نظام، نظام معنی کے حامل تھے لیکن ان کی اساس چونکہ زمانی و مکانی اور قومی علتوں پر رکھی گئی تھی اس لیے یہ سارے نظام انضمامی نہ تھے اور نہ ہی ان میں دوام اور عالمگیریت کا کوئی متضمنہ شامل تھا۔ یہ انضمامی نظام اس وقت پیش کیا گیا جب کہ عقلی اور تمدنی حیثیت سے نوع انسانی روح کمال پر پہنچ گئی۔ یہ نمونہ آخری نمونہ معاشرت و ثقافت تھا اس لیے قرآن اعلان کرتا ہے کہ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵:۳) بصراحت نمونہائے معنوی کے مقابل غیر معنوی نظاموں کے ذکر کرنے کا مدعا یہ تھا کہ نوع انسانی کو دعوت فکر و تحقیق دی جائے۔ علمی تحقیقات کا یہ عام اصول ہے کہ جو چیزیں اب پیچیدہ شکل میں ہیں ان کی اس حالت کا کھوج لگایا جائے جب کہ وہ سادہ شکل میں تھیں تاکہ اصول و قوانین کے دریافت کرنے میں مدد ملے۔ اس سلسلے میں قرآنی عمرانیات کو جس بات پر اصرار ہے وہ یہ ہے کہ صحیح، بامنشا اور علمی نظام ثقافت و معاشرت بغیر نظام معنی کے وجود میں نہیں آسکتے، اس لیے اولیں نمونۂ معاشرت و ثقافت جس کو آدم معرض شہود میں لایا تھا، اس کی تفصیل کے بعد فیصلہ کن انداز میں کہا جاتا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲:۳۹)

نکتہ کی بات جو قرآنی عمرانیات اس لیے میں پیش کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوانین و اصول اور معنی معاشرتی و ثقافتی نظاموں میں کارفرما ہیں ان کی حیثیت منطقی کلیوں کی سی ہے، جن معاشرتی و ثقافتی نظاموں کے مختلف نمونے قرآنی عمرانیات نے پیش کیے ہیں ان کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہر اجتماعی فعل کے اسباب و نتائج صاف ظاہر ہو جاتے

ہیں۔ عمرانیات کے محقق کو معاشرے کی ابتدار، عمل اور اس کی بقا کے اسباب کے مطالعہ سے یقیناً بہت بڑی مدد ملتی ہے۔ ان سب باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشرے و ثقافت کی بنیاد علم پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولین نمونۂ ثقافت کی توضیح کے ساتھ نہایت ہی بلاغت سے قرآن اس کی اولیت اور تاسیس کی لم وحقیقت کے سمجھنے کے لیے نظریۂ علم کی وضاحت کرتا ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ... (۲: ۳۱)

قرآنی عمرانیات کے مباحث سے اس بات کی توثیق نہیں ہوتی کہ شروع میں معاشرہ ایک سادہ جماعت تھی جو آگے چل کر بہت پیچیدہ جسم نامی بن گئی۔ قرآنی عمرانیات کو دورِ جدید کے ان نظریوں سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ پا بہ ہوا باتیں ہیں جنہیں نام نہاد سائنٹفک تحقیق یا ریسرچ کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن کا اصرار ہے کہ معاشرے کی نئی شکلوں، نئے اضافے، زندگی کی قوت، جدوجہد میں ترقی بار بار ہونے والے اعمال، مختلف اجزا کا نظم وضبط غرض یہ معاشرے و ثقافت کو وجود میں لانے والے اسباب و موثرات، عوامل و علتوں پر فکر و تدبر اور غور و تعمق کیا جائے۔ ان سب امور کا جامع نام آیات ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸: ۲۹)

معاشرے و ثقافت کی لم وحقیقتوں پر عملاً مشاہداتی اور تجربی انداز میں غور و فکر کرنے کے علاوہ چونکہ ان تمام حقیقتوں پر قرآن میں ایک جائی و مجموعی حیثیت سے بطور اصول و بحث کی گئی ہے اس لیے معاشرتی و ثقافتی مظاہر کا مشاہدہ و مطالعہ بجائے خود کافی نہیں تاوقتیکہ قرآن کی پیش کردہ حقیقتوں اور معنوی علتوں اور روابط پر غور نہ کیا جائے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء ۸۲)

دورِ جدید کا یہ قضیہ بھی قرآنی عمرانیات کے لیے قابل قبول نہیں کہ ابتدا میں عمرانی زندگی

یک رنگ اور ایک آہنگ تھی۔ اگر یہ صورت ہوتی تو بقول قرآن ہر دور اور ہر قوم کے لیے انبیاء مبعوث نہ ہوتے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (یونس ۴۷)

یہ صحیح ہے کہ آگے چل کر معاشرتی زندگی کے مختلف اجزا ہو گئے۔ معاشرہ مختلف شعبوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ اجزا و شعبے مختلف فرائض انجام دینے لگے۔ اس حد تک قرآنی عمرانیات، دورِ جدید کی عمرانیات کے ہم خیال ہے لیکن دورِ جدید کی عمرانیات ان تقسیموں، اجزا و شعبوں میں معنوی وحدت کو دیکھ نہ سکی۔ یہ وحدت وہ ہے جس کو قرآن توحید کے نام سے یاد کرتا ہے۔ توحید کا یہ معنوی نظام کائنات کی ہر چیز کی ظاہر و باطن میں جھلکیاں لیتا نظر آتا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (الرعد)

قرآن شریف میں مشرکین، اصنام پرستوں اور بت پرستوں کا جو ذکر آیا ہے ان کا عمرانی نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ وہ افراد ہیں جو معاشرتی زندگی کے ابتدائی مرحلے پر تھے۔ چونکہ ان کی جماعتی زندگی کا نظام کسی وحدت اسا نظامِ معنی سے مربوط نہیں اس لیے انہیں گروہ کے نام سے یاد کرنا درست ہوگا۔ ان کی زندگی کا دوسرا نقص یہ تھا کہ ان کی ساری زندگی محض خارجی واقعات کی پابند تھی۔ یہ گروہ جن کی حیثیت غول بیابانی کی سی تھی ایک دوسرے کی نقل کرتے تھے یا اپنی غیر معین خواہشوں کے مطابق عمل کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ نئے مشاغل پیدا ہوئے اور افراد بہ اعتبار مشاغل جداگانہ تقسیموں میں ایسے بٹ گئے کہ کسی قسم کی وحدت باقی نہ رہی۔ حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں بت پرستوں، اجرامِ فلکی کے پرستاروں کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کا مدعا اس بات کی تردید کرنا نہیں کہ معاشرہ جداگانہ تقسیموں اور وظیفہ یابی شعبوں اور اختصاصی حصوں میں نہ بٹ جائے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایسے معاشرے جو نظامِ معنی پر نہیں بنتے وہ اضطراراً اگر مختلف شعبوں میں بٹ جاتے ہیں

تو ان میں معنوی ارتباط اور افراد معاشرہ میں قدر معنویت اور قلبی لگاؤ باقی نہیں رہتا۔ جو معاشرے نظام معنی پر بنتے ہیں اور وظیفہ باتی جہت میں بٹ بھی جائیں تو وحدت معنوی کا رشتہ کبھی بھی گسستہ ہونے نہیں پاتا۔ اداروں، جماعتوں اور افراد سب کے سب وحدت معنی کے حامل اور اپنے ہر عمل و ظہور میں اسی وحدت کی ترجمانی اور اظہار کرتے رہیں گے۔ قرآن شرح صدر اور الّف بینہم کی جامع اصطلاحوں میں انھیں حقائق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہد انقلاب اور دور حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقا مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظام اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

یہ کتاب جدید نصاب کے مطابق بی۔ اے آنرز کے کورس میں داخل ہے۔ اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا و اساتذہ اور سیاسیات کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہت مفید ہے۔

صفحات ۵۰۶ قیمت -/۸ روپے

ملنے کا پتہ:

سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور